OPEN ACCESS: Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
ISSN (ONLINE): 2707-1219 www.arjish.com ISSN (PRINT): 2707-1200
DOI: https://doi.org/10.53575/u11.v6.01(22)99-109

شاکر کی غزل اور جدیدیت، مابعد جدیدیت

Shakir's Ghazal and Modernity, Post-Modernity

Hafiz Muhammad Fiaz
Department of Saraiki, Bahauddin Zakariya University, Multan.
Email: fiazmuhammad1@gmail.com

Dr. Ayaz Ahmad Rind
Visiting Lecturer Saraiki Ghazi University, D.G.Khan.
Email: aayazahmadayaz00@gmail.com

Shams Zoha Ali
Lecturer (Saraiki), Govt. Graduate College, Rajanpur.
Email: Shamsrizvi,@gmail.com

Received on: 13-01-2022 Accepted on: 16-02-2022

Abstract

Everything changes with time. Literary trends also were changing with time. As progressive movement has destroyed traditional literary trends. Similarly, the theories of modernism, post modernism, colonialism and structuralism have influenced the literature around the globe. Saraiki literature has also been influenced by these theories and movements. We have tried to analyze this fact there. Shakir Shuja Abadi is the renowned nation poet of Saraiki language. The odd of Shakir is analyzed in the light of theories of modernism and post modernism to see to extent. Shakir's odd meet the criteria of the mentioned theories. How well this odd reflects the Facts and problems of society and how much improvement he wants in society.

Keywords: Modernity, Ghazal, Existence, Impracticality, Unity of Existence, Colonialism, Colonialism, Materialism

موضوع کا تعارف:

فلسفہ وحدت الوجود جدیدیت اور مابعد جدیدیت کی تحریکیں مغرب میں عالمی جنگوں اور صنعتی انقلاب کے زیر اثر اُبھریں۔ مشرق نشاۃ ثانیہ کے بعد مغربی سائنسی و صنعتی ترقی اور سیاسی اثر ورسوخ کے باعث مغرب سے متاثر ہوتا رہا ہے۔ ظاہر ہے اس کے اثرات ادب اور فنونِ لطیفہ پر بھی آئے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی ''نئی تنقید'' کتاب میں جدیدیت کو مغرب سے درآمد شدہ کہتے ہیں اور اسکی وجوہات بھی بتاتے ہیں۔ ہمارے زرعی نظام پر چھا جانے والا صنعتی نظام ہے۔ یہ زرعی نظام غیر متحرک، جامد ہے اور نہ بدلنے والی روایات سے جُڑے وسیب کا نمائندہ ہے جہاں تبدیلی بدعت ہے۔ اس کے برعکس صنعتی نظام متحرک ہے اور زندگی سمیت ہر شے بدلنے کا رجحان رکھتا ہے۔ غیر متحرک اور جامد زرعی نظام، نظام کے مقابل متحرک صنعتی نظام نے انسانیت کو بے شمار ایجادات کے ذریعے جہاں سہولیات دی ہیں وہاں بُہت سی

پریشانیوں، مصیبتوں اور دُکھوں سے بھی دُوچار کیا ہے۔ مثلاً مادیت پرستی، نفسا نفسی کی دوڑ، آلودگی، روایات اور اخلاقیات سے دوری اور مشینی زندگی کی بے سکونی وغیرہ جس طرح یہ سارے تحفے صنعتی نظام کے عطا کردہ ہے اسی طرح جدیدیت بھی صنعتی نظام کی پیداوار ہے۔ جدیدیت کا سب سے بڑا تاثر انسان کے اپنے مسئلے مسائل، مصیبتوں، اُلجھنوں اور دکھوں کا زور و شور سے اظہار اور پرچار کرنا اور اُن پر مایوس ہونا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ ''محض غصہ ہونا، پریشان ہونا، تنہائی اور اداسی کے اظہار کو جدیدیت نہیں سمجھتا''(1) گویا کسی بھی زبان کے ادب کے ذریعے غصہ، اداسی، اور تنہائی کا اظہار جدیدیت نہیں تو پھر جدیدیت ہے کیا؟

''آج کا شاعر اپنے عہد کے مسائل سے بے خبر نہیں اپنا چاہتا اور ادب برائے ادب کے تصور کو قابل لحاظ نہیں سمجھتا۔۔۔۔۔ محسوس ہوتا ہے کہ کیونکہ آج کا شاعر استعماریت کے خلاف سینہ سپر ہے تو استحصال اور نو آبادی نظام کے خلاف صف آراء ہو کر آزادی کے نغمے گانے کی کوشش کرتا ہے۔''(2)

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے تو کیا ہمارے ادب نے بھی ہمارے مسائل کا اظہار کیا ہے۔ کیا پاکستان جیسے پسماندہ ملک اور خاص طور پر سرائیکی وسیب کے دیسی اور غیر ترقی یافتہ علاقوں کے ادیبوں اور شاعروں نے اپنے مسائل پر اور اپنے اوپر حاوی ہونے والی استعماریت اور نو آبادیت پر احتجاج کیا؟ اگر کیا ہے تو سوال یہ ہے کیا اپنے سماج میں موجود جبر، ناانصافی، ظلم، غربت، شعور کی کمی اور جہالت کے خلاف لکھا ہے؟ اگر یہ سب ہوا ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے ادب میں یہ احتجاج نظری اور اصولی ہے یا مغرب کی درآمد شدہ جدیدیت مابعد جدیدیت کی تحریکوں کے زیر اثر ہوا ہے۔

جدیدیت روایت سے ہٹ کر نئی بات کا نام ہے اگر ایسا ہے تو جدیدیت ہر دور اور ہر زمانے میں موجود رہی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے روایت سے ہٹ کر نئی بات کی۔ منصور بن حلاج نے اپنے عشق کا اظہار روایت سے ہٹ کر کیا اور امر ہو گئے۔ ہماری دھرتی سے بابا فریدؒ ہو یا بلھے شاہ، سچل ہو یا خواجہ غلام فریدؒ، رفعت عباس ہوں یا اشو لال، عاشق بزدار ہوں یا اسلم جاوید، انہوں نے اپنے عہد کے مروجہ ادبی اور سماجی حقائق کو شک کی نگاہ سے دیکھا اور روایت سے ہٹ کر بات کی، مابعد جدیدیت کے علم بردار فلپ رائس لکھتے ہیں:

''مابعد جدیدیت اپنے عہد کے مروجہ حقائق کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے نئی راہوں کی متلاشی ہے۔''

شاعر چاہے جدید فلسفے اور نظریات سے واقف ہو یا نا ہو وجودیت کا احساس ہر عظیم شاعر کے پاس نظر آتا ہے۔ جدید سرائیکی شاعری کا سب سے نمایاں اور اہم نام خواجہ غلام فرید کا ہے۔ وجودیت بارے اُنکی فکر اور نظریات پر اسلم رسولپوری لکھتے ہیں:

''خواجہ غلام فرید ایک پکے وحدت الوجودی صوفی ہونے کے ساتھ ساتھ ہک وجودی (Existentialist) فلسفی بھی ہیں۔ مغرب میں جدید وجودی فلسفی ژاں پال سارتر (1905-1980) اور البرٹ کامیو (1905-1880) کے نمودار ہونے سے پہلے ہی خواجہ غلام فرید کے کلام میں اپنے ہم عصر فلسفی فریڈرک نیٹشے (1844-1900) کے عہد کے وجودی اثرات موجود ہیں۔ اور مذہبی حوالے سے بیشتر خیالات ایک اور اہم ڈنمارک کے وجودی فلسفی کرکے کارڈ (1813-1855ء) سے ملتے ہیں۔ جبکہ زندگی کی بے معنویت کے بارے میں

خواجہ غلام فرید کی فکر البرٹ کامیو سے بُہت پہلے کئی کافیوں میں نظر آتی ہے۔اس حوالے سے خواجہ غلام وجود کے امکان پر بات کرتے ہیں اور ''عدمیت'' کے امکان کو ''لاشے لاامکان توں'' کے ذریعے اظہار کے علاوہ ''جیوڑے دے ڈینہہ ڈھائی وویار'' میں ظاہر کرتے ہیں''۔(4)

خواجہ غلام فرید کے علاوہ ممتاز حیدر ڈاہر اور خالد اقبال کی شاعری میں وجودیت کا گہرا احساس نظر آتا ہے۔ڈاکٹر گل عباس اعوان کا کہنا ہے کہ ترجمہ ''جدید شاعری کی نشانی نئی فکر، نیا اسلوب اور بہت سے نئے تجربے ہیں''۔

شاکر شجاع آبادی جدید سرائیکی شاعری کا نمائندہ شاعر ہے، ڈوہڑے کے اس باکمال شاعر کا دوسرا اہم میدان غزل گوئی ہے، غزل کی اس کمیابی کے دور میں شاکر نے فنی اور فکری لحاظ سے اعلیٰ اور منفرد غزلیں لکھیں۔ یہاں ہم پرکھیں گے کہ شاکر شجاع آبادی کی غزل نئی شاعری کے چھاترے میں جدیدت، اور مابعد جدیدیت کے کتنے اصول وافکار پر پورا اُترتی ہے؟

شاکر شجاع آبادی نے اپنے وجود کا احساس اپنی غزل میں دلایا ہے، جسے کوئی چونٹی کاٹ کر اپنے ہونے کا احساس دلاتی ہے ورنہ وہ اتنی چھوٹی ہوتی ہے کہ انسان اسے لائق توجہ نہیں سمجھتا۔ یہ وہی فلسفہ ہے جس کا پرچار خالد اقبال نے اپنی کتاب ''کویلی دی کاوڑ'' میں کیا ہے۔ڈاکٹر گل عباس اعوان جدیدیت کے متعلق لکھتے ہیں:

''جدیدیت کے موضوعات بھی ایسے ہیں کہ وہ سماجی قدروں کی توڑ پھوڑ، متن سے معنی کی علیحدگی (علامت نگاری) مستقبل سے مایوسی، رومانوی تنہائی، بے چینی، اُمیدوں کا پورا نا ہونا، فرسودہ نظام سے منہ پھیرنا اور روایتی اور اخلاقی نظام پر اعتراضات کا ہی نام ہے''(5)

شاکر شجاع آبادی کی شاعری میں تقریباً سارے موضوعات موجود ہیں، مگر سب سے حاوی عنصر مایوسی ہے۔ یہ مایوسی خواہشات کی عدم تکمیل سے زیادہ ہوتی نظر آتی ہے، اور خواہشات کی تکمیل کے نتیجے میں بھی مایوسی ہی دکھتی ہے۔اس بارے اسلم رسولپوری کا کہنا ہے:

''مختلف خواہشات کی تکمیل کے بعد جب وہ سب اپنی اہمیت ختم کر بیٹھتے ہیں تو انسان کو اپنی پوری زندگی کی بے معنویت کا احساس ہونے لگتا ہے''۔(6)

اور دوسرے پہلو کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

''قبائلی جاگیردارانہ اور سرمایادارانہ سماج میں جہاں لٹے پٹے لوگوں کو اپنی محنت کے چھن جانے سے اپنی اہمیت کی بے قدری کا شعور آتا ہے تو انسانی زندگی کی معنویت بھی اُبھر کے سامنے آتی ہے''۔(7)

دونوں صورتوں میں اگر انسان خود کو مایوسی کی انتہا پر دیکھے تو وہ اپنے ''ہونے'' کا احساس یوں دلاتا ہے کہ وہ اُس ''ہونے'' کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ انتہا شاکر کی شاعری میں نظر آتی ہے کہ وہ زندگی کو بوجھ سمجھتا ہے اور یہ بوجھ اُتار پھینکنا چاہتا ہے۔

زندگی تاں بوجھ ہے بس چھئی وداں

چوّدی جو نئیں کنڈ پچھوں لڑ کئی وداں(8)

مفہوم: زندگی ایک بوجھ ہے جو کہ اُٹھایا نہیں جاتا اور میں اُسے کمر پر لادے کھینچتا پھرتا ہوں۔

زندگی کو بیکار اور بار سمجھنا اور موت کو پسندیدہ نگاہ سے دیکھ کر گلے لگانا آخر کیوں؟ اسلم رسول پوری لکھتے ہیں کہ :

''زندگی ایک لطفِ ناپائیدار ہے تو موت کا بھی اپنا لطف ہے اس لطف سے دور ہونا ایک طرح کی محرومی ہے اور یہ محرومی اور تلخی موت کی تلخی سے بڑھ کر ہے۔''(9)

مایوسی، ملال اور پچھتاوا وجودی فلسفے کا اہم موضوع ہے۔ غربت، بیماری بے روزگاری کے ہاتھوں بے بس شاعر مایوسی کی ہی باتیں کرتا ہے اور اپنے حال پر پریشان رہتا ہے اور مستقبل سے مایوس نظر آتا ہے۔ تو یوں گویا ہوتا ہے۔

میں وی کہیں دے گھر دا چندر ہاں

ڈینہہ دے تارے کجھ تاں سوچو

گلوں ننگا سنگڑیا بیٹھاں

ترمدے ڈھارے کجھ تاں سوچو(10)

مفہوم: میں بھی کسی گھر کا چاند ہو کہ اے دن کے تارو کچھ میری اہمیت، متعلق سوچو کہ اور بارش میں بھیگتے گرتے میرے کچے گھر کو بھی دیکھو کہ میں ادھورے لباس میں اس بارش سے بچنے کے لیے سکڑ کر اسی گھر کے کونے میں بیٹھا ہوں۔ میرا کیا ہو گا؟

جدیدیت کا اہم تاثر فرسودہ نظام سے منہ موڑنا اور روایتی اور اخلاقی نظام پر اعتراضات کرنا ہے جس کا نتیجہ احتجاج کی صورت میں نظر آتا ہے۔ فرسودہ سماجی اور اخلاقی نظام سے بغاوت کا اعلان کرنا ہو تو حق گوئی اور بے باکی شاکر کی غزل کا نمایاں رنگ ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ سچائی کا عَلم ہاتھ میں اُٹھائے بغاوت کا اعلان کرتا ہے اور جھوٹے، مکار، دھوکے باز، لالچی اور دوسروں کا حق دبانے والوں کو للکارتا ہے اور سچ کے لئے کوشش کرتا اور اس کوشش میں انجام سے لاپرواہ نظر آتا ہے۔

توں شاکر حق دا جھنڈا چانا سوچ انجام کیا تھیسی

سوچاں دے ایں جنگل وچ ارادے قتل تھیندے ہن(11)

مفہوم: شاکر کو حق سچ کا علم بلند کر اور انجام کی فکر مت کر، اگر صرف سوچتا رہا تو کچھ کر گزرنے کا ارادہ مٹ جائے گا۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ شاکر شجاع آبادی نے مالی مجبوریوں اور معاشی بدحالی کے ہاتھوں مجبور ہو کر صاحب اقتدار لوگوں کے آگے مالی امداد کی خاطر سر جھکایا تو ان پر درباری شاعری ہونے کے فتوے لگے پر اُن کی بے باکی میں کوئی دورائے نہیں۔

اساڈا ملک ہا نازک شیشے دا

افسوس لوہار دے ہتھ آ گئے

اگر انسان کے مسائل کو ریاست، قاضی، مذہب اور فلسفہ حل کرنے میں ناکام ہو جائیں تو وہ اپنے من میں اپنی دنیا بساتا ہے اور فلسفہ وجودیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ انسان اپنے تخیل اور فکر کے زور پر نئی زندگی کے خواب دیکھے۔ شاکر کی زندگی جو بیماری، معذوری اور غریبی کے

ہاتھوں بے رنگ تھی تو اس زندگی سے کنارہ کش ہو کر وہ کس صوفی کی طرح اپنا تنہا جہان آباد کرتے ہیں اور زمانے سے شکوہ بھی جاری رکھتے ہیں۔

اُٹھی صحرا کوں جُل دِلڑی چمن ساکوں ناراس آیا

اوہو پردیس چنگا ہا وطن ساکوں ناراس آیا(12)

مفہوم: اے دل چلو صحرا کو چلیں ہمیں چمن راس نہیں آیا اور اس دُکھوں بھرے وطن سے تو ہمیں پردیس اچھا تھا۔

شاکر کی غزل، ترقی غزل کا اگلا قدم ہے، جہاں روایتی موضوعات موجود تو ہیں مگر قدرے کم ہیں۔ یہاں پر معاشرے اور خاص طور پر سرائیکی وسیب کے مسائل پر بات کی گئی اور برائیوں اور خرابیوں کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ اور شاکر شجاع آبادی نے کسی ماہر جراح کی طرح ان برائی کے ناسوروں پر چرکے لگائے ہیں یہ جدید غزل کی علامت ہے۔ اس بارے ڈاکٹر گل عباس اعوان لکھتے ہیں:

''جدید غزل روایتی مضامین سے انحراف کرتی ہے۔ جدید سرائیکی غزل مبالغہ آرائی کی بجائے حقیقت نگاری کو متعارف کراتا ہے۔ جدید غزل نے وسیب کے حقوق کی بات کی ہے''۔(13)

شاکر شجاع آبادی وسیب کے مختلف شعبوں کے زوال اور فرائض سے غفلت کے ذریعے وسیب کے حقوق کی ہونے والی پامالی کا کھلم کھلا اظہار کیا ہے ہمارا قانون اور ایوان ہی ہمارے معاشرے کی بقا اور اساس ہے اور ان پر عمل ہی ہمارے وجود کی بقا ہے۔ پر یہاں بے اصولی کا دور دورہ ہے ہماری سیاست میں بے ضمیری، بے اصولی کا پردہ کھولتا ہے اور سیاستدانوں کی مادیت پرستی، ہوس پرستی اور سیاسی اصولوں کی پامالی کو اپنی شاعری کا موضوع بناتا ہے۔

اتھاں لیڈر وپاری ہن، سیاست کارخانہ ہے

اتھاں صبر وکائو حال ہن، اتھاں ایوان وکدا ہے(14)

مفہوم: یہاں لیڈر بیوپاری بنے ہیں اور سیاست نفع بخش کارخانہ بن چکا ہے اور ممبران اسمبلی بکاؤ مال ہے اور یہاں ایوان کی بھی بولی لگتی ہے۔ ایسے ہی آج کی نسل کی بے عمل اور خود ناشناسی کو دیکھ کر شاکر شاعر مشرق علامہ اقبال کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنے شاہین کا ذرا انجام تو دیکھیں۔

ذرا اقبال جھاتی پاء پہاڑاں دیاں چٹاناں تے

تیڈے شاہین سر سَٹ کے ممولیاں توں کٹیندے پن(15)

مفہوم: اے اقبال ایک نظر دیکھ تو سہی کہ تمہارے شاہین کیسے سر جھکائے پہاڑوں کی چٹانوں پر ممولوں سے مار کھا رہے ہیں۔

شاکر شجاع آبادی نے پچھلی تین دہائیاں اور اُن کے حالات حاضرہ پر گہری نظر رکھی ہے۔ عالمی سازشوں، نیو ورلڈ آرڈر، عراق اور افغانستان میں امریکی مداخلت اور کشمیر کے حالات وغیرہ۔ جہاں جہاد اور دہشتگردی کا فرق مٹانے میں عالمی طاقتوں کا ہاتھ رہا ہے وہیں ہمارے مسلمان کو

بھی اُن کے آلہ کار بن کے جرم کو جہاد کہنے لگے ہیں اس صورت حال میں شاکر کہاں چُپ رہتا ہے؟

لاالٰہ دالینڈے لیبل جرم دی بندوق تے

ایجھے دہشتگرد اُتے تے ایمان کِھلدا رہ گیا(16)

مفہوم: آج کا دہشت گرد اپنا جرم ایمان کے اُوٹ میں کرتا ہے اور جُرم کو جہاد کہتا ہے، خرابی ہے ایسے جہادی کے ایمان پر۔

ایک اور جگہ مومن اور کافر کی تقسیم اور جہاد اور دہشت گردی کے فرق کو واضح کرنے کو وقت کی ضرورت سمجھتے ہیں اور لوگوں کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں تاکہ معاشرے کے یہ ناسور ختم کئے جا سکیں۔

کون ہے جو فی سبیل اللہ دا نعرہ مار کے

انتقاماً پئے کریندے ہن قتل کجھ غور کر(17)

مفہوم: اے لوگو! غور کر جہادی جہاد فی سبیل اللہ کا نعرہ لگا کہ اپنے ذاتی عناد و انتقام کے لئے قتل کئے جا رہے ہیں۔

شاکر شجاع آبادی نے جہاں مذہبی عناصر کی غفلت کو آشکار کیا وہیں فرقہ واریت کو بھی بیان کیا ہے کیونکہ یہ چیز ہمارے ملک اور معاشرے کی سالمیت اور بقا کے لیے سوالیہ نشان بن گئی ہے۔

شیعہ کافر، سُنی مشرِک تے وہابی منکر ہن

کر تیاری غیر مسلم خلد پاونڑ واسطے(18)

مفہوم: مسلمان تو آپس میں فرقہ واریت میں پڑے شیعوں کو کافر، سنیوں کو مشرک اور وہابیوں کو منکر کہنے میں لگے ہیں، مسلمانوں کی جگہ اب غیر مسلم ہی جنت پائیں گے۔

شاکر شجاع آبادی کی صوفیانہ روایت کی پیروی میں مذہب کے نام پر عناد اور نفع اکٹھا کرنے اور منافقت کرنے والے مذہبی ٹھیکیداروں اور ملاؤں کی چالوں کو عیاں کرتا ہے اور پیٹ پر ہاتھ پھیرنے والے کو نقاب کشائی کرتا ہے۔

میڈا معنی چھوڑ کے مانی دے معنی کڈھ گھدس

اج دے مُلاں دے اُتے قرآن کھلدا رہ گیا(19)

مفہوم: آج کے ملاں کو قرآن پاک بھی چشم حیران سے دیکھتا ہے جو کہ کلام الٰہی کے معنی میں اپنی روٹی تلاشتا ہے۔ شاعر معاشرے کا احساس رکن ہوتا ہے جب اُمیدیں پوری نا ہوں مایوسی ہو تو اس ہستی کی طرف اُمید بھری نگاہوں سے دیکھتا ہے جو مطلق العنان ہے۔ وہ اس سے شکوے شکایتیں کرتا ہے۔ شاکر اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر شکوہ کناں ہوتا ہے جو تہذیب کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتا اور اس کا انداز اقبال کے شکوہ کی عکاسی کرتا ہے۔

میں سُنیندا ویندا دل توں نکلی ہوئی غزل کجھ غور کر

مہربانی اے خدائے لم یزل، کجھ غور کر

میڈا مقصد اے تاں نیں، سُنیندا نوہی مظلوم دی

توں سمیع ایں توں بصیر دراصل، کجھ غور کر(20)

مفہوم: اے خدائے لم یزل توجہ کی ایک نظر کیجئے کہ میرے دل سے شکوہ غزل بن کر نکلا ہے، بس یہی التجا ہے کہ یہ مہربانی کیجئے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ مظلوموں کی نہیں سنتے، آپ تو سمیع و بصیر ہیں بس ہم پر نگاہ کیجئے۔ گناہگاراں کوں رحمت دا اشارہ کیوں تاہاوی(21)

مفہوم: اے خدا آپ نے گناہگاروں کو اپنی رحمت کا اشارہ، امید کیوں دی اب یہ اُس رحمت کے آسرے پر گناہ ترک نہیں کرتے۔ یا پھر اکیلے میں رب تعالیٰ کو اپنے دکھ سنانے کی ادا بھی خوب کی ہے۔

بے نیازی توں کڈاہیں کڈھ کے مولا وقت ڈے

ٹکڑے شاکر تیکوں آپنے ڈُکھ سُناوٹ واسطے(22)

مفہوم: اے خدا اپنی بے نیازی کو چھوڑ کر کبھی اتنا وقت دے کہ شاکر تجھ سے مل کر تجھے اپنے دکھڑے سنائے۔

یہاں شاکر شجاع آبادی کی غزل مابعد جدیدیت کے نظریات پر عمل پیرا نظر نہیں آتی بلکہ الٹ چال دکھاتی ہے۔ وہاب اشرفی لکھتے ہیں:

''ہمارے شاعر جب کسی ماوارائی طاقت کی طرف دیکھتے ہیں تو وہ دریدا اور مابعد جدیدیت کے ساتھ نہیں ہوتے کیوں کہ یہ سارے روحانی طاقت یا کائنات کی طاقت کے ساتھ ہونے کو نہیں مانتے''۔(23)

ایک صوفی عوام کو دکھوں اور غموں میں دلاسہ دیتا ہے، صبر کی تلقین کرتا ہے اور انکی تو رب سے لگاتا ہے تاکہ وہ ایک مطلق العنان ہستی کے آگے اپنے دکھوں کا اظہار کریں اور اپنی خواہشات کی مانگ کر کے پر سکون ہو جائیں۔ اسے مقام پر شاکر کی غزل ان جدید نظریات کے برعکس صوفیانہ مزاج سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔ ایک مبلغ اور مصلح کی طرح شاکر اخلاقی اقدار کا درس دیتا ہے تو اس کا مقام و مرتبہ کم نہیں پڑتا۔ بلکہ عاجزی کا بھرپور اظہار ہے جو کہ شاعرانہ تعلیٰ کے الٹ ہے۔ انکساری اور عاجزی اختیار کرنے کی رسم کو وہ خود سے شروع کرتا ہے۔

برائی جے جہیں ہووے برائی مار ڈیندی ہے

خدا تاں معاف کر ڈیندے خدائی مار ڈیندی ہے

اے شہرت، نام تے عزت خدا دی مہربانی ہے

وڈائی چھوڑ ڈے شاکر، وڈائی مار ڈیندی ہے(24)

مفہوم: برائی جیسی بھی ہو جاری رہے تو انسان کو تباہ کر دیتی ہے۔ معاف کرنا خدائی وصف ہے۔ لوگ برائیوں پر کبھی معاف نہیں کرتے، اگرچہ شہرت، نام اور عزت خدائی تحفہ ہے مگر اے شاکر تو مغرور نا ہو کہ غرور انسان کو تباہ کر دیتا ہے۔

معاشرتی اور اخلاقی برائیوں کو شعروں کے ذریعے بیان کرنے اور انکی مذمت کرنے کا حق شاکر کے پاس خوب ہے۔ معاشرے کے زوال اور

تنزلی کی ایک اہم وجہ لوگوں کی سستی ہے۔ من حیث القوم اسی سُستی کی وجہ سے ہم ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہیں۔ شاکر کہتا ہے اگر ہم نے اس بلا سے چھٹکارا حاصل نہ کیا تو اسکا نتیجہ تباہی اور عذاب کی صورت میں نکلے گا۔

اساڈی آلس دی اُوٹ گھن کے

اساں ڈوآندا عذاب ڈیہداں(25)

شاعر ایک طرف اپنی محرومیوں پر شکوہ کناں ہے دوسری طرف وہ اپنے آپ سمیت سب کو قناعت اور صبر کا درس دیتا ہے اور مقدر پر راضی با رضا ہونے کا کہتا ہے۔ یہ شاعر کے رومانوی تنہائی کا اظہار بھی ہے۔

سجن کوں خوشی تیکوں ڈکھ مل گئے شاکر

مقدر دی ونڈ ہے نبھا کھلدیں کھلدیں(26)

مفہوم: محبوب کو خوشی اور تمہیں دکھ نصیب ہوئے ہیں یہ رضاءایزدی ہے۔اسے خوشی سے قبول کر لو۔

عشق اور قربانی لازم وملزوم ہیں۔ کہیں سولی پہ چڑھ کے کہیں آگ میں جل کر، کبھی آرے سے حصوں بخروں میں بٹ کر اور کبھی عشق میں بوٹی بوٹی بن کر پک جانا قربانی کی روایت ہے جو چلتی آرہی ہے۔خواجہ غلام فرید فرماتے ہیں:

پڑھ بسم اللہ گھولیم سر کوں

چاتم عشق اجارہ(27)

مفہوم: میں نے اپنے عشق کی عمارت کی بنیاد میں اپنے آپ کو بسم اللہ پڑھ کر قربان کیا ہے۔ یا پھر

کر قربان فرید سر اپنا

ہن تیڈڑ اوار آیا(28)

سچل سرمست اس روایت کو یوں بیان کرتے ہیں:

درد تیڈے کنوں عاشق شودے، پھڑ کن ہو پھڑ کن

سوز تیڈے کنوں برہ والے تھڑ کن ہو یا تھڑ کن(29)

مفہوم: اے عشق تیرے درد سے عاشق بے چارے پھڑکتے ہیں اور اگر یہ درد کہیں کم ہو تو سوز کی صورت اختیار کر لیا ہے جو عاشقوں پر لرزہ طاری رکھتا ہے۔ عشق اب قربانی دینا، ایثار، بدلے فرمانا حوصلہ شاکر کی غزل کا درس بھی بن جاتا ہے۔

عشق دی نگری وچ ہے، اندھارا بہوں

اپنے گھر کو جلاڈیوں، سخاوت کروں

بجھدی بھاء کوں ہواڈیوں، سخاوت کروں

بے وفا کوں وفا ڈیوں، سخاوت کروں

جیڑھی جاء تے نی بارش دا ہک قطرہ پیا

خون گل دا پلا ڈیوں، سخاوت کروں(30)

شاکر شجاع آبادی شاعری کو ذریعہ کتھارسس سمجھتا اور یہ اُس کے لیے تحلیل نفسی اور تحلیل غم کا ذریعہ ہے۔ شاعری میں اپنے دکھوں کا اظہار، زمانے کے دھوکے اور وقت کی ناشناسی کے گلے شکوے کر کے ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے۔

اے درداں دا چھاگے بدل ہولے ہولے

اُٹھی چھیڑ شاکر غزل ہولے ہولے

محبت دے بوٹیاں کوں ڈے اکھ دا پانی

جو پک ویسی آخر فصل ہولے ہولے(31)

ایک طویل عرصے تک کافی صوفی شاعری کی نمائندگی کرتی آرہی ہے اور سرائیکی کافی جس فلسفے کی پرچارک ہے وہ فلسفہ وحدت الوجود ہے آج کی کافی نے ماضی کے مقابلے میں اس فلسفے سے کتنا انصاف کیا ہے؟ اس بارے اسلم رسولپوری لکھتے ہیں:

''آج کی نئی سرائیکی کافی کا شاعر اس سماجی حالات میں رہتا ہے نہ اُن حالات سے باخبر ہے جو سترھویں سے انیسویں صدی کے دور کے وحدت الوجودی فکر کی وسیب میں بنیاد بنے، اور اُس صوفیانہ داخلی واردات سے گزرے جو انکی تقسیم کا سبب بنے۔(32)

شاکر شجاع آبادی فلسفہ وحدت الوجود کو اپنی غزل کا موضوع بتاتا ہے تو وہ اس سے انصاف نہیں کر پاتا جتنا کہ ماضی کے کافی گو شعراء نے کیا۔

جے انا الحق دا توں میکوں رابطہ ڈیندا نوھی

دار میڈے لائق نی، میں دار دے قابل نمھی(33)

مفہوم: اگر مجھے انا الحق کا راز نہیں بتاتے تو اے خدا پھانسی میرے اور میں پھانسی کے قابل نہیں ہوں۔

جڈاں نتری وفا کوں ڈیکھ گھنسوں

انا الحق دی انا کوں ڈیکھ گھنسوں(34)

اس موضوع سے انصاف نہ کر سکنے کی بنیادی وجہ رائج دنیاوی ظاہری اور باطنی علوم سے بے بہرہ ہونا اور فلسفہ وحدت الوجود کے حوالے سے اللہ سے اُس تعلق میں کمی نظر آتی ہے۔ جس میں تعلق سے سچل سرمست، فرید، بلھے شاہ اور دیگر صوفی شاعر اپنے اپنے دور میں مستفید ہوئے ''تاہم تخلیق کار کو پڑھا لکھا اور اپنے ارد گرد کے حالات اور علم سے باخبر ہونا چاہیے۔ اگر وہ نا ہو تو ممکن ہے کہ وہ ایسی تخلیقات پیش کرے جو فن کے تقاضوں پر پوری اترتی ہوں، موثر ہوں اور خوبصورت بھی ہوں۔ لوگ اُن سے لطف اندوز ہو سکتے ہوں اور مسرت بھی حاصل کر سکتے ہوں۔ مگر دانشمندانہ بصیرت سے پڑھنے والے جو بہر حال کسی فن پارے کی لازمی خصوصیت ہونی چاہیے۔ پڑھنے والے محروم رہ جائیں

۔اسکے فرق کی مثال خواجہ فرید، اشولال اور ممتاز حیدر ڈاہر کے مقابلے میں شاکر شجاع آبادی کے کلام میں دیکھی جاسکتی ہے''۔(35)

شاکر شجاع آبادی کی غزل کی اور نمایاں خامی یہ ہے کہ غزلوں میں اکثر اشعار یک موضوعی اور یک رنگ ہیں۔ یہاں لگتا ہے کہ شاکر کی غزل یک رنگی کا شکار ہے۔اس خامی بارے ڈاکٹر گل عباس اعوان لکھتے ہیں:

''غزل کی خوبصورتی کا اصل سبب اسکے ہر شعر کا معنوی اعتبار سے ایک مکمل کافی ہونا ہے، باقی تمام شعری اصناف ایک مسلسل موضوع یا خیال پر مشتمل ہوتی ہیں۔ غزل کی ''مسلسل غزل'' ہوتی ہے غزل کی ایک خوبصورتی یہ ہے کہ اسکا ہر ایک شعر جُدا رکھا جاتا ہے۔''(36)

حاصلِ کلام:

درج بالا بحث کو سمیٹ کر نتیجہ نکالا جائے تو شاکر شجاع آبادی کی غزل میں جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے نظریات کا عکس نظر آتا ہے۔ مثلاً معاشرے کے مسائل، غربت، بے بسی، بے چارگی، بیماری، بے چینی، مسائل سے فرار اور تنہائی کا انتخاب کر لینا وغیرہ۔ مگر ثقافتی ورثے کی تلاش علامت نگاری اور کثریت جیسے اثرات کی کمی نظر آتی ہے۔ایسے ہی شاکر کی غزل میں وسیب کے ثقافتی منظر نامے کی مکمل عکاس نہیں، چاہے وہ وسیب کا شہری رُخ ہو یا دیہی، جدیدیت روایت سے ہٹ کر نئی چیز کا نام ہے تو یہ نئی چیز پر زمانے میں موجود نظر آتی ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

''جدیدیت ایک اضافی چیز ہے اُس چیز کا تعلق کسی لحظے، خاص زمانے یا دور سے ہو وہ اضافی تو ہوگا پر مطلق نہیں۔(37)

اس حساب سے ہماری سرائیکی شاعری کے ہر دور میں شاعروں نے اپنے زمانے میں روایت سے ہٹ کر نئی بات کی ہے اور یہ اضافی شے ہر دور میں نظر آئی ہے اور یہ دور کو خاص بناتی رہی ہے۔ معاشرے کے باشعور اور درد مند انسان ہونے کے ناطے ہر ادیب اور شاعر اپنے دور کے ظلم، جبر، افراتفری پر مایوسی قنوطیت کا شکار ہوئے اور انہوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے انہیں اجاگر بھی کیا جس کا مطلب ہے وہ ان سے چھٹکارا چاہتے تھے۔ تو جدیدیت، مابعد جدیدیت ایک دو صدی قبل کی پیداوار نہیں بلکہ یہ ہمارے ادب کی ابتداء سے ہی ہمارے معاشرتی اور سماجی حالات کے مطابق چلی آرہی ہے۔

References

1. Jameel Jalbi, Dr. Nyi Tanqeed, Rayil book Agency, Sadar Karachi, 1985, P:78
2. Wahab Ashrafi, Ma Baad Jadeediat Muzamraat o Mumkinaat, Porab Academy, Islamabad, 2007, P:437
3. Gull Abbas, Awan, Dr. Jadeed Saraiki Shairy, Jhook Publisher, Multan, 2014, P:62
4. Aslam Rasoolpuri, Leekhy, Jhook Publisher, Multan, 2011,P:45
5. Abid, P:17,18
6. Abid, P:51
7. Abid, P:52
8. Shakir Shujabadi, Shakir Diyan Ghazilaan, Jhook Publisher, Multan, 2011, P:13
9. Aslam Rasoolpuri, Leekhy, Jhook Publisher, Multan, 2011,P:45
10. Shakir Shujabadi, Shakir Diyan Ghazilaan, Jhook Publisher, Multan, 2011, P:44
11. Abid, P:31
12. Shakir Shujabadi, Baldian Hanju, Jhook Publisher, Multan, 2006, P:44

13. Gull Abbas, Awan, Dr. Jadeed Saraiki Shairy, Jhook Publisher, Multan, 2014, P:192
14. Shakir Shujabadi, Lahoo Da Arq, Jhook Publisher, 2nd Edition, Multan, 2006, P:14
15. Abid, P:31
16. Abid, P:18
17. Shakir Shujabadi, Baldian Hanju, Jhook Publisher, Multan, 2006, P:29
18. Shakir Shujabadi, Lahoo Da Arq, Jhook Publisher, 2nd Edition, Multan, 2006, P:81
19. Abid, P:17
20. Shakir Shujabadi, Baldian Hanju, Jhook Publisher, Multan, 2006, P:28-29
21. Shakir Shujabadi, Kalaam-e-Shakir, Jhook Publisher, Multan, P:36
22. Shakir Shujabadi, Peely Pttr, Jhook Publisher, Multan, P:18
23. Wahab Ashrafi, Ma Baad Jadeediat Muzamraat o Mumkinaat, Porab Academy, Islamabad, 2007, P:437
24. Shakir Shujabadi, Baldian Hanju, Jhook Publisher, Multan, 2006, P:41
25. Shakir Shujabadi, Shakir Diyan Ghazilaan, Jhook Publisher, Multan, 2011, P:18
26. Shakir Shujabadi, Peely Pttr, Jhook Publisher, Multan, P:26
27. Javed Chandio, Dr., Dewaan Fareed, Saraiki Adbi Majlish, Bahawalpur, 2nd Edition, P:78
28. Abid, P:85
29. Sachal Sarmast, Jo Saraiki Kalaam, (Murtaba) Molana Hakeem M. Sadiq Ray Puri, Sindhi Adbi Board, Haiderabad, 1982, P:288
30. Shakir Shujabadi, Baldian Hanju, Jhook Publisher, Multan, 2006, P:36-37
31. Shakir Shujabadi, Peely Pttr, Jhook Publisher, Multan, P:72
32. Aslam Rasoolpuri, jaded Saraiki Shairy, Jhook Publisher, Multan, 2014,P:14
33. Shakir Shujabadi, Kalaam-e-Shakir, Jhook Publisher, Multan, P:108
34. Shakir Shujabadi, Lahoo Da Arq, Jhook Publisher, 2nd Edition, Multan, 2006, P:19
35. Aslam Rasoolpuri, Leekhy, Jhook Publisher, Multan, 2011,P:45
36. Gull Abbas, Awan, Dr. Jadeed Saraiki Shairy, Jhook Publisher, Multan, 2014, P:191
37. Jameel Jalbi, Dr. Nyi Tanqeed, Rayil book Agency, Saddr Karachi, 1985, P:79